34

اصرار اور تکرار کے ساتھ اجتماعی طور پر تبلیغ احمدیت کی جائے

(فرمودہ 16 اکتوبر 1942ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"ہماری جماعت کو اللہ تعالیٰ نے اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے جو ہتھیار بخشا ہے وہ تبلیغ ہے۔ تلوار کا جہاد ہمارے لئے کم سے کم اس زمانے میں مقرر نہیں ہے۔ کم سے کم اِس زمانہ میں ہمارے لئے مقرر نہیں ہے مَیں نے اس لئے کہا ہے کہ جہاد کے متعلق جو پیشگوئیاں اور احکام ہیں وہ وقتی ہیں۔ جہادِ سیف بھی خدا تعالیٰ کے دائمی احکام میں سے ایک حکم ہے اور خدا تعالیٰ کے دائمی احکام منسوخ نہیں ہوا کرتے، ملتوی ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاد کا حکم حالات کے مطابق ملتوی ہو سکتا ہے، منسوخ نہیں ہو سکتا۔ جس قسم کے حالات میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام گزرے یا آپ کے قریب کے زمانہ کے لوگ گزر رہے ہیں ضروری نہیں کہ یہ حالات ہمیشہ اسی طرح رہیں۔ آج اگر تلوار کے ساتھ احمدیوں کو مجبور نہیں کیا جاتا کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ دیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ کل ایسے حالات پیدا نہ ہوں گے کہ کسی ملک میں اسے مٹانے کے لئے تلوار نہ اٹھائی جائے گی اور پھر وہاں احمدیت ہو گی بھی ایسے زور کی کہ وہ مخالفت علمی نہ کہلا سکے گی بلکہ حقیقی مخالفت کہلائے گی اور اس وقت مقابلہ تلوار کے ساتھ ہی ضروری ہو گا۔ پس آج ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کل احمدیت کے لئے کیا حالات ظاہر ہوں گے اور کیسی مشکلات اسے پیش آئیں گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا ہے کہ ع

عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا [1]

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ قیامت تک کے لئے جنگوں کو منسوخ کر دے گا۔ التوا

ایک عرصہ تک ہوتا ہے اور احمدیت کو بھی ایسے حالات میں سے گزرنا پڑ سکتا ہے کہ دشمن اسے تلوار سے مٹانے کی کوشش کریں اور اس لئے احمدیوں کو بھی تلوار کا جواب تلوار سے دینا پڑے۔ آج دشمن دلائل سے حملہ کرتا ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی دلائل سے مقابلہ کیا اور آپ کی جماعت بھی دلائل سے مقابلہ کر رہی ہے۔ پس ہمارے لئے اشاعت اسلام کا ذریعہ تبلیغ کے سوا کوئی نہیں۔ پہلے انبیاء کے زمانہ میں بھی ترقی کا ذریعہ تبلیغ ہی رہی ہے مگر ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ ان کے دشمن خود ہی دوسرے ذرائع بھی مہیا کر دیتے رہے۔ اس کی کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی کہ کبھی کسی نبی نے جبر سے کام لیا ہو اور تلوار اٹھائی ہو اور کسی کے سر پر تلوار رکھ کر کہا ہو کہ مانو ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ یہ بات خدا تعالیٰ کی صفات کے خلاف ہے اور انبیاء خدا تعالیٰ کی صفات کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کرتے۔ جب بھی کسی نبی نے تلوار اٹھائی اور لڑائی کی ہے دفاع کے طور پر ہی کی ہے۔ گویا جس حد تک تبلیغ میں جنگ کے مواقع پیدا ہوئے ہیں وہ دشمن نے ہی بہم پہنچائے ہیں۔ انبیاء نے خود پیدا نہیں کئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام کی حکومت عرب پر قائم ہو گئی تھی اس لئے لوگوں نے مان لیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ حکومت قائم ہونے کے سامان کس نے پیدا کئے۔ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی یا کافروں نے اور جب اسلام کی حکومت قائم ہونے کے سامان خود کافروں نے مہیا کئے تو الزام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کس طرح آ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص خود آ کر کہے کہ مجھے کلمہ پڑھاؤ تو اسے کلمہ پڑھا دینا جبر نہیں کہلا سکتا اور اگر عرب پر اسلام کی حکومت قائم ہونا اعتراض کی بات ہے تو کسی کے کہنے پر اسے کلمہ پڑھانے کو بھی جبر ہی کہنا پڑے گا۔ عرب پر اسلام کی حکومت قائم ہونے کا دروازہ خود کافروں نے کھولا اور جو دروازہ دوسرا کھولے وہ جبر نہیں کہلا سکتا۔ ہاں اگر انسان خود جا کر لالچ یا حرص دلا کر کسی کو منا لے تو یہ مالی جبر کہلائے گا یا اگر تلوار دکھا کر منا لے تو یہ تلوار کا جبر ہو گا۔ لیکن عرب پر اسلام کی حکومت کا رستہ خود کافروں نے کھولا۔ اس لئے یہ جبر نہیں۔ جس طرح اگر کوئی خود آ کر اطاعت قبول کرے تو یہ جبر نہیں کہلا سکتا۔ ایک شخص اگر خود تحقیق کرے اور پھر تصدیق کر کے خواہش کرے کہ مجھے کلمہ پڑھاؤ تو کوئی علقمند اسے جبر نہیں کہہ سکتا۔ پس جب لڑائی کا

سامان خود دشمن کرے اور اس کے نتیجہ میں صداقت پھیلے تو یہ جبر نہیں کہلا سکتا کیونکہ اس کے پھیلنے کے سامان خود دوسرے نے کئے ہیں۔ ہاں اگر ماننے والا جھوٹے طور پر مانتا ہے تو یہ بھی اس کی منافقت ہوگی کیونکہ اسی نے پہلے سامان پیدا کیا اور پھر خود ہی منافقت کے طور پر مان لیا۔ پس منافقت بھی اسی کے ذمہ ہوگی اور اخلاص بھی اسی کے ذمہ ہوگا۔

بہرحال کبھی کسی نبی نے جبر سے کام نہیں لیا اور دوسروں پر جبر کر کے اسلام نہیں پھیلایا۔ ہاں یہ ہوتا رہا ہے کہ دشمنوں کی طرف سے ایسے سامان پیدا کر دیئے جاتے تھے کہ صداقت کو ظاہری شان و شوکت حاصل ہو جاتی تھی اور اس سے بھی بعض لوگ متاثر ہو جاتے تھے مگر ہماری جماعت کو اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری شان و شوکت سے بھی محروم رکھا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی ترقی تبلیغ سے ہی ہوگی۔ گو جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہی ایسا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں دشمن احمدیت کے خلاف تلوار اٹھائے اور خدا تعالیٰ احمدیوں کو بھی حکم دے دے کہ تم بھی تلوار کا مقابلہ تلوار سے کرو کیونکہ اب تم پر مظالم حد سے زیادہ ہو گئے ہیں لیکن بہرحال ہمارے سلسلہ کی ابتدائی ترقی تبلیغ سے ہی ہونی ہے، ہوتی رہی ہے، ہو رہی ہے اور آئندہ بھی ہوگی۔ اس وقت تک ہم جس رنگ میں تبلیغ کرتے رہے ہیں وہ انفرادی تبلیغ کا رنگ ہے۔ یہ تبلیغ انفرادی تبلیغ کہلا سکتی ہے، اجتماعی تبلیغ نہیں کہلا سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں اجتماعی تبلیغ کا رنگ تھا۔ دشمن پر ایسے حملے ہوتے تھے کہ وہ مجبور ہو جاتا تھا کہ یا لڑے اور یا مان لے۔ اشتہار پر اشتہار شائع ہوتے رہتے تھے اور دنیا کو مخالفت کی دعوت دی جاتی تھی اور مجبور کیا جاتا تھا کہ لوگ مقابلہ کریں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء کو لوگوں نے جو مجنون کہا ہے تو اس کی بھی وجہ ہے۔ وہ جس رنگ میں تبلیغ کرتے ہیں اسے دیکھتے ہوئے لوگ ان کو مجنون کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ہم اشتہار پہ اشتہار دیتے ہیں، لوگ مخالفت کرتے ہیں۔ جماعت کے لوگ مخالفت پر برا بھی مناتے ہیں، چڑتے بھی ہیں مگر ہم خود کب مخالفوں کو چپ رہنے دیتے ہیں اور اگر وہ چپ ہو جائیں تو ہم اَور اشتہار دے دیتے ہیں۔ انبیاء کی مثال تو اس بڑھیا کی سی ہے جسے بچے گالیاں دیتے اور دِق کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ تنگ آ کر ان کو

بد دعائیں دیتی کہ مجھے خواہ مخواہ دِق کرتے ہیں۔ ان بد دعاؤں کی وجہ سے بعض دفعہ ماں باپ اپنے بچوں کو گھروں میں روک لیتے اور دروازوں کو قفل لگا دیتے کہ تم باہر جا کر صبح صبح بد دعائیں لیتے ہو لیکن جب وہ بڑھیا دیکھتی کہ آج اسے کوئی بچہ دِق نہیں کرتا تو وہ ہر دروازہ پر جاتی اور کہتی کہ کیا آج تمہارا مکان گر گیا، کیا سب بچے آج مر گئے اور یہ دیکھ کر ماں باپ دروازے کھول دیتے اور بچوں سے کہتے کہ جاؤ جو مرضی ہے کرو۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء کی بھی یہی مثال ہوتی ہے، دشمن انہیں دِق کرتا اور مخالفت کرتا ہے لیکن اگر وہ کسی وقت مخالفت نہ کرے پھر بھی انہوں نے تو اپنی بات اسے ضرور سنانی ہے اور جب وہ سنائیں گے۔ وہ پھر مخالفت کرے گا۔ ان کے دشمن صداقت پر صبر سے کام نہیں لے سکتے اور انبیاء تبلیغ سے باز نہیں رہ سکتے اور دونوں کی یہ حالت مل کر لڑائی کو جاری رکھتی ہے، دشمن مخالفت کرتے ہیں۔ انبیاء ان کو اس پر ڈراتے بھی ہیں کہ تم پر ہماری مخالفت کی وجہ سے عذاب آئے گا لیکن اگر وہ کسی وقت چپ ہو جائیں تو یہ پھر اپنی تبلیغ شروع کر دیتے ہیں اور اس پر دوسرا فریق پھر گالی گلوچ شروع کر دیتا ہے کیونکہ گالی کے سوا اس کے پاس کچھ ہوتا نہیں۔ یہ ضرور تبلیغ کرتے ہیں اور اس کے پاس ان کا ایک ہی جواب ہوتا ہے یعنی گالیاں۔ چنانچہ وہ ضرور گالیاں دیتا ہے۔ تو یہ اجتماعی تبلیغ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں تھی مگر بعد میں اس میں سستی پیدا ہو گئی۔ بے شک جماعت بڑھ بھی رہی ہے، ترقی بھی کر رہی ہے، رسائل بھی زیادہ ہیں، اخبار بھی اب زیادہ ہیں مگر وہ جو رنگ تھا کہ دشمن کو چھیڑنا اور مجبور کرنا کہ وہ سچائی کی طرف توجہ کرے، اب آگے سے کم ہے۔ اب کچھ لوگ جماعت میں ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو پیغامیوں کی طرح کہتے ہیں کہ ہمیں ایسی تقریریں کرنی چاہئیں کہ لوگ سنیں اور کہیں کہ واہ وا احمدی خوب تقریریں کرتے ہیں، مخالفوں کو دِق کر کے تبلیغ کی طرف متوجہ کرنا اب نہیں بلکہ اس طرف مائل ہیں کہ لوگ کہیں احمدی اچھا کام کر رہے ہیں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ایسے لوگ صداقت کو قبول نہیں کرتے۔ صداقت وہی قبول کرتے ہیں جو لڑتے ہیں مقابلہ کرتے ہیں اور یہ لڑائی اور مقابلہ دو طریق سے ہی ہوتا ہے یا تو کوئی فطرتاً مخالف ہو اور یا پھر دلائل کا اصرار اور تکرار کر کے اسے توجہ کرنے پر مجبور کر دیا جائے اور چونکہ وہ ماننا نہیں چاہتا، اس کی ظاہری شرافت جاتی رہے

اور یا پھر اس کے اندر اتنی شرافت ہو کہ وہ تحقیق کی طرف مائل ہو جائے۔ اصرار اور تکرار کے دو ہی نتائج ہو سکتے ہیں یا برے اخلاق ظاہر ہو جائیں اور وہ لڑ پڑے اور یا پھر سستی کو چھوڑ کر صداقت کی طرف مائل ہو لیکن اب ہماری تبلیغ کا عام طور پر یہ رنگ نہیں ہے اور در حقیقت آج اس کی پہلے کی نسبت بہت زیادہ ضرورت ہے۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں کہ لوگ ہماری تعریف کریں۔ اگر لوگ ہماری تعریف کریں گے تو ہمیں کیا دے دیں گے۔ ہمیں تو خدا تعالیٰ نے دنیا کے نظام کو توڑنے کے لئے کھڑا کیا ہے اور ہم نے ان لوگوں کے جھوٹے خیالات کے گھر کو بھی توڑنا ہے جو ہماری تعریف کریں کیونکہ جب تک پرانی عمارت گرا نہ دی جائے ہماری نئی عمارت تعمیر نہیں ہو سکتی اور اس وقت تک ہماری اور ان کی خیالات میں صلح نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان کے خیالات کی عمارت کو توڑ کر اس کی جگہ ہم اپنے خیالات کی عمارت کھڑی نہ کر دیں۔ اس وقت تک ہم ان میں مل کر بیٹھیں گے بھی، ان کی مجالس میں بھی جائیں گے، اکٹھے بھی ہوں گے مگر وحدتِ خیال جو مذہب کا خاصہ ہے اس وقت تک پیدا نہ ہو سکے گی۔ مذہب مل بیٹھنے پر خوش نہیں ہوتا بلکہ مل جانے پر خوش ہوتا ہے۔ مل بیٹھنے کو تو ہندو، عیسائی، مسلمان سب مل بیٹھتے ہیں مگر مذہب اس پر خوش نہیں ہوتا۔ مذہب اس پر خوش ہوتا ہے کہ باہم مل جائیں جس طرح پانی پانی میں مل جاتا ہے۔ مل بیٹھنا کوئی چیز نہیں، مل بیٹھنے کو تو سب لوگ جو یہاں بیٹھے ہیں ملے بیٹھے ہیں۔ مگر کوئی منافق ہے، کوئی بڑا مومن ہے، کوئی چھوٹا مومن ہے اس طرح بیٹھنے کی مثال تو ایسی ہی ہے جیسے سطح آب پر پانی کے بھرے ہوئے مشکیزے تیر رہے ہوں لیکن جو مخلص ہوتے ہیں، نظر تو وہ بھی الگ الگ ہی آتے ہیں مگر در حقیقت ان کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے دریا یا سمندر میں پانی ہو، کوئی دریا سیدھا نہیں بہتا، اس کے گوشے اور کنارے ادھر ادھر نکلے ہوتے ہیں مگر وہ الگ الگ پانی نہیں ہوتے بلکہ اسی ایک دریا کا پانی ہوتا ہے۔ اسی طرح مخلص مومن شکلوں میں تو الگ الگ ہوتے ہیں مگر ان کے دماغوں میں ایسی رَو پیدا ہوتی ہے کہ جس سے وہ سارا پانی ایک ہی ہوتا ہے۔ مَیں نے بتایا ہے کہ اسی مجلس میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ جس طرح پانی کے مشکیزے سمندر کی سطح پر تیر رہے ہوں لیکن باقی لوگ جو مخلص ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر کے پانی کے قطرے ہوں۔ ہر قطرہ کا

ایک الگ وجود ہوتا ہے مگر وہ سمندر میں ملا ہوا ہوتا ہے اسے ہم الگ کر سکتے ہیں مگر وہ صرف ظاہر میں الگ ہو گا۔ اس کی حقیقت سمندر سے الگ نہیں ہو سکتی۔ جب بھی اسے سمندر میں ڈالو گے وہ اپنا وجود کھو دے گا۔ اسلام اور احمدیت اسی قسم کے اتحاد ہو چاہتی ہے اور یہ اتحاد ایمان کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا اور دنیا میں امن بھی اسی اتحاد سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ جب یہ اتحاد پیدا ہو جائے تو لڑائی کی اصل وجوہ دور ہو جاتی ہیں، دلوں میں ایسی محبت و اخلاص پیدا ہو جاتا ہے کہ باوجود لڑائی جھگڑوں کے انسان کا دل محبت سے خالی نہیں ہوتا۔ یوں تو لڑائیاں بھائیوں بھائیوں میں بھی ہو جاتی ہیں۔ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام حسنؓ و امام حسینؓ میں ایک دفعہ جھگڑا ہو گیا اور امام حسینؓ نے زیادتی کی۔ دوسرے دن ایک شخص نے دیکھا کہ امام حسنؓ، امام حسینؓ کے گھر کی طرف جا رہے ہیں۔ اس نے کہا حسن کہاں جاتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا حسین کے ہاں معافی مانگنے جا رہا ہوں۔ وہ شخص اس مجلس میں موجود تھا جس میں جھگڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا میرا تو خیال ہے کہ آپ حق پر ہیں اور حسین کی زیادتی تھی۔ امام حسنؓ نے کہا ٹھیک ہے مگر مَیں نے سنا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو بھائی لڑ پڑیں تو صلح میں پیش قدمی کرنے والا پانچ سو سال پہلے جنت میں جائے گا۔ اس پر مَیں نے دل میں کہا کہ مَیں ہوں بھی حق پر اور حسین نے مجھ پر زیادتی بھی کی۔ اب اگر وہ پہلے صلح کے لئے آ گئے تو وہ جنت میں بھی مجھ سے پہلے چلے جائیں گے اور میرے لئے یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ اس دنیا میں بھی حسین نے مجھ پر ظلم کیا اور جنت میں بھی وہی پہلے چلے جائیں۔ اس لئے مَیں صلح کرنے خود ہی جا رہا ہوں تا کم سے کم جنت میں تو مَیں پہلے جا سکوں۔ اب دیکھو، یہ خیالات کا اتحاد تھا جس نے دلوں میں ایسا نور پیدا کر دیا تھا کہ اگر کبھی اختلاف بھی ہو جاتا تھا تو ایک دوسرے کے مخالف نہ ہو جاتے تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ میں لڑائی ہوئی۔ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ ایک طرف تھے اور حضرت علیؓ ایک طرف۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ ایک شخص دوڑا دوڑا آیا اور حضرت علیؓ سے کہا کہ مَیں آپ کو بشارت دیتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کس بات کی۔ اس نے کہا آپ کے دشمن طلحہؓ کو مَیں مار کر آیا ہوں۔ اب دیکھو لڑائی ہو رہی ہے اس بات کے لئے ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑے ہیں کہ ایک دوسرے کو مار دیں گے،

اصولی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے جنگ ناگزیر ہو گئی تھی مگر ان سب باتوں کے باوجود حضرت علیؓ نے اس شخص کی بات سن کر اسے یہ جواب نہیں دیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور یہ حکم نہیں دیا کہ اسے خلعت دی جائے بلکہ فرمایا اور مَیں تم کو جہنم کی بشارت دیتا ہوں۔ مَیں نے خود آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی زبان مبارک سے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ اے طلحہ ایک دن ایک شخص تجھے مارے گا اور وہ جہنمی ہو گا۔[2] تو دیکھو، حضرت علیؓ باوجود اس کے کہ لڑنے آئے تھے مگر پھر بھی اس ارادہ سے آئے کہ جس طرح بھی ہو گا طلحہ کی جان بچائیں گے۔ ان دونوں کو اگر حالات نے جنگ پر مجبور بھی کر دیا تب بھی دلوں کی رَو ایک طرف ہی چل رہی تھی۔ آجکل جنگیں ہوتی ہیں ایک Trench (خندق) والے تاک لگا کر بیٹھے رہتے ہیں کہ دوسری Trench سے کوئی سر نکالے اور جونہی ادھر سے کوئی سر نکالتا ہے، ڈز ہوتا اور اسے گولی جا لگتی ہے لیکن حضرت علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کی لڑائی میں شام کے وقت لڑائی موقوف کر کے طلحہؓ کے آدمی حضرت علیؓ کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے آجاتے تھے۔ اسی طرح جب معاویہ سے حضرت علیؓ کی جنگ تھی تو تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ کے بہت سے آدمی حضرت علیؓ کے پیچھے نماز پڑھنے آجاتے تھے بلکہ بعض تو کھانا بھی دوسرے فریق کے دستر خوان پر آکر کھاتے تھے۔ یہ نہیں ہوتا تھا کہ سنتری للکارتا ہے کون آرہا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ دوست۔ تو اس نے پوچھا کہ کیا ہے۔ آج کا پروانۂ راہداری۔ اس نے کہا۔ فلاں۔ تو اس نے کہہ دیا آجاؤ اور اگر وہ دوسرے فریق کا آدمی ہوا اور اس نے پوچھا کون آرہا ہے۔ اس نے کہا مَیں فلاں ہوں۔ بس یہ سنتے ہی اس نے گولی ماری اور یہ بے چارہ وہیں ختم ہو گیا بلکہ یہ ہوتا تھا کہ شام کو لڑائی ختم ہوتی تو تلوار گھر میں رکھی اور چھڑی ہاتھ میں لے کر علی کے آدمی معاویہ کے لشکر میں سیر کے لئے جا رہے ہیں اور معاویہ کے علی کے لشکر میں۔ اور پھر دستر خوان بچھائے جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت علیؓ کی طرف تھے مگر کھانا ہر روز معاویہ کے ہاں کھایا کرتے تھے۔ کسی نے کہا ابو ہریرہ یہ کیا؟ ہو تو علی کے طرفدار۔ نمازیں علی کے پیچھے پڑھتے ہو اور کھانا معاویہ کے پاس جا کر کھاتے ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب دیا کہ نماز علی کے پیچھے لطف دیتی ہے اور کھانا معاویہ کا مزیدار ہوتا ہے۔ تو

دیکھو لڑائی بھی ہو رہی ہے مگر محبت بھی قائم ہے کیونکہ دماغ میں ایک ہی رَو چل رہی ہے۔ یہ نہیں کہ اگر اختلاف ہے یا لڑائی ہے تو ایک دوسرے کی صورت نہیں دیکھنی اور جس طرح بھی ممکن ہے اسے نقصان پہنچانا ہے۔ علیؓ اور معاویہؓ میں لڑائی ہو رہی تھی تو قیصر روم کے پاس اس کا بڑا اُسقُف آیا اور اس نے کہا کہ آپ ذرا اپنے شکاری کتّے منگوائیں، اس نے منگوائے تو پادری نے کہا ان کے آگے گوشت ڈالا جائے چنانچہ گوشت ڈالا گیا اور وہ آپس میں لڑنے لگے اس پر اُسقُف نے ایک نوکر سے کہا کہ ان کو مارو۔ اس نے انہیں لٹھ مارا تو وہ چوں چوں کرتے ہوئے بھاگے۔ اُسقُف نے کہا کہ دیکھو یہ کتنے بڑے بڑے کتّے ہیں۔ کیا یہ کسی کو اپنے پاس بھی آنے دیتے ہیں لیکن اب کہ یہ آپس میں لڑ رہے تھے ایک معمولی آدمی نے بھی ان کو پیٹا تو اس کے آگے بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔ قیصر نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے؟ تو اُسقُف نے کہا کہ اس وقت معاویہؓ اور علیؓ آپس میں لڑ رہے ہیں اور بڑا اچھا موقع ہے۔ اگر مسلمانوں پر حملہ کر دیا جائے تو عیسائی حکومت دوبارہ دنیا میں قائم ہو سکتی ہے۔ قیصر نے اس کا ارادہ کیا، فوج تیار کرنی شروع کی۔ معاویہؓ کو بھی اس کی اطلاع ہوئی کیونکہ وہ راستہ میں تھے یعنی شام میں اور حضرت علیؓ دور عراق میں تھے۔ معاویہؓ کو پہلے خبر ہوئی کہ قیصر کا لشکر حملہ کی تیاری کر رہا ہے تو انہوں نے قیصر کو کہلا بھیجا کہ سنا ہے آپ اسلامی ممالک پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اس لئے کہ مجھ میں اور علی میں لڑائی ہے لیکن یہ لڑائی تو ایسی ہی ہے جیسے بھائیوں بھائیوں میں ہوتی ہے۔ اگر تم نے اس طرف کا رخ کیا تو سب سے پہلا جرنیل جو علیؓ کے حکم کے ماتحت تمہارے مقابل پر آئے گا وہ معاویہ ہو گا۔ یہ سن کر قیصر نے اُسی وقت اپنے ارادہ کو چھوڑ دیا۔[3] تو اگر خیالات کی رَو ایک ہو تو ایسا اتحاد قائم ہوتا ہے کہ اگر اختلاف اور لڑائی بھی ہو تو محدود ہوتی ہے اور اتفاق کے لئے دلوں میں سامان موجود رہتے ہیں۔

یزید جیسا ناپاک انسان جس نے رسول کریم ﷺ کی نسل اپنی طرف سے ختم کر دی، اس کا بیٹا اس کے بعد بادشاہ ہوتا ہے۔ لوگ اسے بادشاہ بنا دیتے ہیں مگر سب سے پہلا خطبہ جو اس نے پڑھا اس میں کہا۔ اے لوگو! دنیا میں ایسا شخص بھی موجود ہے جس کا دادا میرے دادا سے اچھا تھا اور جس کا باپ میرے باپ سے اچھا تھا یعنی زین العابدین جو امام حسینؓ کے لڑکے

تھے۔ خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ حکومت اسی کے سپرد کی جائے جو اس کا اہل ہو مگر آپ لوگوں نے اس کے سپرد کر دی ہے جو اس کا اہل نہ تھا۔ آپ نے مجھے بادشاہ بنا دیا ہے مگر مَیں اس کا اہل نہیں ہوں اس کے اہل وہی ہیں جن سے یہ حکومت چھینی گئی ہے۔ اس لئے چاہئے کہ پھر انہی کے سپرد کر دی جائے۔ بہر حال مَیں اسے چھوڑتا ہوں۔ چاہو تو حقداروں کو ان کا حق دے دو اور چاہو تو کسی اَور کو بادشاہ بنالو۔ وہ یہ کہہ کر گھر میں گیا تو ماں اس سے لڑنے لگی اور اسے گالیاں دینے لگی کہ کمبخت تُونے ماں باپ کو ذلیل کر دیا۔ اس نے جواب دیا اماں مَیں نے ماں باپ کو ذلیل نہیں کیا بلکہ عزت قائم کر دی اور خدا کے سامنے منہ دکھانے کے قابل ہو گیا۔[4] آج لوگ گالی دیتے ہیں تو کہتے ہیں یزید کا بچہ حالانکہ اس نے تو اپنے عمل سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ نیک ہے۔ یہ کتنی بڑی نیکی تھی جو اس سے ظاہر ہوئی۔ آج جرمنی اور برطانیہ کی جنگ ہو رہی ہے۔ کیا ان میں سے کوئی ایسا کر سکتا ہے۔ یہ دلی اتحاد کا نتیجہ تھا۔ دل ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے اور یہ اتحاد اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب خیالات ایک ہوں۔ اس کے بغیر دوسری چیز ظاہری ہے۔ پس ظاہری تعریف سے ہمیں ہرگز خوش نہ ہونا چاہئے۔ جب تک کہ تعریف کرنے والوں کے اور ہمارے خیالات ایک نہ ہوں۔ جب تک وہ اسلام اور احمدیت کو ان معنوں میں نہ مان لیں جن معنوں میں ہم مانتے ہیں اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے جب تک کہ ہم ان کو اپنے اخلاص سے مجبور نہ کر دیں۔ ایک جبر محبت کا بھی ہوتا ہے۔ بچہ رو رو کر ماں سے چیز لے لیتا ہے۔ یہ ہے تو جبر مگر کیا ماں اسے ناپسند کرتی ہے۔ تم نے دیکھا ہو گا اگر بچہ کچھ دن نہ مانگے تو ماں کہتی ہے میرا بچہ مجھ سے خفا ہو گیا ہے۔ جب وہ مانگتا ہے تو بعض دفعہ اس پر بھی خفا ہوتی ہے۔ بعض جاہل مائیں دفعہ ہو جا، مر جا بھی کہتی ہیں لیکن جب بچہ نہیں مانگتا اور روٹھ جاتا ہے تو پھر بھی کہتی ہے کہ میرا بچہ کیوں چیز نہیں مانگتا۔ بچہ ماں پر جبر تو کرتا ہے لیکن اگر وہ چپ ہو جائے تو بھی وہ پسند نہیں کرتی۔ اسی طرح تبلیغ کا جبر ہے۔ جب ہم لوگوں کو اس طرف توجہ کرنے پر مجبور کریں گے تو وہ بگڑیں گے، ناراض ہوں گے۔ بعض کہیں گے یہ تو پیچھے ہی پڑ گئے، کیسے ذلیل لوگ ہیں، کتنے عجیب لوگ ہیں مگر روح کی آواز کہے گی یہ چیز ہے تو کچھ میٹھی۔ اگر یہ جبر ہوتا رہے تو شاید حق کھل ہی جائے۔ تو جب تک یہ جبر نہ کیا جائے بار بار

سناسنا کر ان کو مجبور نہ کر دیا جائے کہ یا لڑیں اور یا سوچیں حقیقی تبلیغ نہیں ہو سکتی۔ مَیں نے ایک گزشتہ خطبہ میں کہا تھا کہ وہ زمانہ آنے والا ہے اور قریب ہے کہ جب تبلیغ کے یہ رستے ہمیں چھوڑنے پڑیں گے اور وہ اختیار کرنے پڑیں گے جو دین کی سلطنت کے رستے ہیں جیسے دریا اپنا راستہ بناتا ہے۔ اب تک تو ہماری تبلیغ کی مثال پانی کی اس باریک دھار کی ہے جو گلی میں سے گزرتا ہے مگر جب اس کی راہ میں کوئی پتھر آجاتا ہے تو مڑ جاتا ہے۔ مگر حقیقی تبلیغ کی مثال اس سیلاب کی ہے جو مکانوں اور ہر اس چیز کو جو اس کے آگے آئے بہالے جاتا ہے۔ وہ اپنا راستہ بناتا ہے بدلتا نہیں۔ دیکھو جب دریائے سندھ جوش میں آتا ہے، جب خدا تعالیٰ اسے حکم دیتا ہے کہ تُو اپنے رنگ میں تبلیغ کر تو وہ گاؤں کے گاؤں، تحصیلوں کی تحصیلوں اور اضلاع کے اضلاع کو اجاڑتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کی جماعتیں جب حقیقی تبلیغ کے لئے اٹھتی ہیں تو دیوانگی کا رنگ رکھتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں یہ لوگ پاگل ہیں۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ ہاں ہم پاگل ہیں مگر اس جنون سے پیاری چیز ہمیں اور کچھ نہیں۔ مگر اس دن کے آنے سے پہلے تبلیغ میں تیزی کی ضرورت ہے۔ سمندر کو ایک دن میں کوئی شخص پار نہیں کر سکتا جو اسے پار کرنا چاہے پہلے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے قریب کرے۔ ایک چھلانگ میں ہی کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ پس پہلے اس کے لئے تیاری کی ضرورت ہے۔

اس سلسلہ میں مَیں نے یہ تجویز کی ہے کہ سرِ دست ضرورت ہے کہ ایک حد تک اس طبقہ میں جو علماء، رؤسا اور امراء یا پیروں اور گدی نشینوں کا طبقہ ہے اس تک باقاعدہ سلسلہ کا لٹریچر بھیجا جائے۔ الفضل کا خطبہ نمبر یا انگریزی دان طبقہ تک سن رائز جس میں میرے خطبہ کا انگریزی ترجمہ چھپتا ہے باقاعدہ پہنچایا جائے۔ تمام ایسے لوگوں تک ان کو پہنچایا جائے جو عالم ہیں یا امراء، رؤسا یا مشائخ میں سے ہیں اور جن کا دوسروں پر اثر ورسوخ ہے اور اس کثرت سے ان کو بھیجیں کہ وہ تنگ آکر یا تو اس طرف توجہ کریں اور یا مخالفت کا بیڑا اٹھائیں اور اس طرح تبلیغ کے اس طریق کی طرف آئیں جسے آخر ہم نے اختیار کرنا ہے۔ لٹریچر اور الفضل کا خطبہ نمبر یا سن رائز بھیجنے کے علاوہ ایسے لوگوں کو خطوط کے ذریعہ بھی تبلیغ کی جائے اور بار بار ایسے ذرائع اختیار کر کے ان کو مجبور کر دیں کہ یا وہ صداقت کی طرف توجہ کریں اور تحقیق کرنے لگیں اور

یا پھر مخالفت شروع کر دیں مثلاً ایک چٹھی بھیج دی، پھر کچھ دنوں کے بعد اَور بھیجی، پھر کچھ انتظار کے بعد اَور بھیج دی۔ جس طرح کوئی شخص کسی حاکم کے پاس فریاد کرنے کے لئے اسے چِٹھی لکھتا ہے مگر جواب نہیں آتا تو اَور لکھتا ہے پھر وہ توجہ نہیں کرتا تو ایک اَور لکھتا ہے حتّٰی کہ وہ افسر توجہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پس تکرار کے ساتھ علماء، امراء، رؤسا، مشائخ نیز راجوں مہاراجوں، نوابوں اور بیرونی ممالک کے بادشاہوں کو بھی چِٹھیاں لکھی جائیں۔ اگر کوئی شکریہ ادا کرے تو اس پر خوش نہ ہو جائیں اور پھر لکھیں کہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کی طرف توجہ کریں۔ جواب نہ آئے تو پھر چند روز کے بعد اور لکھیں کہ اس طرح آپ کو خط بھیجا گیا تھا مگر آپ کی طرف سے اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔ پھر کچھ دنوں تک انتظار کے بعد اَور لکھیں حتّٰی کہ یا تو بالکل وہ ایسا ڈھیٹ ہو کہ اس کے دل پر مہر لگی ہوئی ہے اور اس کی طرف سے اس کے سیکرٹری کا جواب آئے کہ تم لوگوں کو کچھ تہذیب نہیں، بار بار دِق کرتے ہو، راجہ صاحب نے یا پیر صاحب نے خط پڑھ لیا اور وہ جواب دینا نہیں چاہتے اور یا پھر اس کی طرف سے یہ جواب آئے کہ آؤ جو سنانا چاہتے ہو، سنالو۔ اس رنگ میں تبلیغ کے نتیجہ میں کچھ لوگ غور کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے مگر اس وقت تو یہ حالت ہے کہ غور کرتے ہی نہیں۔ پس اب اس رنگ میں کام شروع کرنا چاہئے۔ اس کے لئے ضرورت ہے ایسے مخلص کارکنوں کی جو اپنا وقت اس کام کے لئے دے سکیں۔ بہت سی چِٹھیاں لکھنی ہوں گی، چٹھیاں چھپی ہوئی بھی ہو سکتی ہیں مگر پھر بھی ان کو بھیجنے کا کام ہو گا۔ اگر جواب آئے تو ان کا پڑھنا اور پھر ان کے جواب میں بعض چِٹھیاں دستی بھی لکھنی پڑیں گی۔ بعض چٹھیوں کے مختلف زبانوں میں تراجم کرنے ہوں گے اور یہ کافی کام ہو گا۔ اس کے لئے جن دوستوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ اس کام میں مدد دیں۔ پھر جو دوست الفضل کا خطبہ نمبر اور سن رائز دوسروں کے نام جاری کرا سکیں وہ اس رنگ میں مدد دیں۔ اگر الفضل کا خطبہ نمبر اور سن رائز ہزار ہزار بھی فی الحال بھجوانا شروع کر دیں تو اس پر چھ ہزار روپیہ خرچ کا اندازہ ہے اور یہ کوئی ایسا خرچ نہیں۔ جماعت کے افراد خدا تعالیٰ کے فضل سے اسے آسانی سے برداشت کر سکتے ہیں۔ اگر جوش اور اخلاص کے ساتھ کام کیا جائے تو بہت فائدہ ہو سکتا ہے اور اس تبلیغ کے زمانہ میں اس طرح کام کرنے کے سوا کوئی چارہ

نہیں۔ مَیں اس کے متعلق کوئی خاص تحریک نہیں کر رہا جیسے تحریک جدید ہے۔ صرف یہ کہتا ہوں کہ جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ اس رنگ میں مدد کریں اور اگر وہ اس میں حصہ لیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔ تحریک جدید کے نوجوانوں کو بھی اگر ضرورت ہو تو اس کام میں لگایا جا سکتا ہے۔ گو یہ ان کی تعلیم کا زمانہ ہے۔ اس لئے دوسرا کوئی زیادہ کام ان کو نہ کرنا چاہئے۔ باقی دوستوں میں سے جن کو توفیق ہو وہ چٹھیاں لکھنے، ان کے تراجم کرنے، جوابات کو پڑھنے اور دوسرے دفتری کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔ اس سلسلہ میں دفتری کام کافی ہو گا جن کی طرف سے جواب نہ آئے ان کو یاد دہانی کرنی ہو گی اور بار بار کرنی ہو گی۔ پس مَیں دوستوں کو عام رنگ میں اس کی تحریک کرتا ہوں۔ شاید اللہ تعالیٰ ایسا دن لے آئے کہ تحریک جدید کو اسی سلسلہ میں لگایا جا سکے۔

خلافت جوبلی فنڈ میں سے مَیں نے ابھی تبلیغ پر خرچ کرنا شروع نہیں کیا۔ میرا ارادہ ہے کہ اس سے آمد شروع ہو جائے تو پھر کیا جائے۔ تعلیمی وظائف اگرچہ شروع کر دیئے ہیں مگر تبلیغی اخراجات ابھی اس سے شروع نہیں کئے اور چاہتا ہوں کہ آمد کی صورت پیدا ہو جائے تو پھر یہ اخراجات اس سے کئے جائیں۔ سرِ دست یہی تحریک کرتا ہوں کہ جو دوست خواہش رکھتے ہیں کہ تبلیغ کے کام میں اَور زیادہ حصہ لیں وہ اس طرف توجہ کریں اور "الفضل" خطبہ نمبر یا "سن رائز" کے جتنے پرچے جاری کرا سکتے ہوں کرائیں۔ امداد دینے والے دوست اپنے نام میرے سامنے پیش کریں، مَیں خود تجویز کروں گا کہ کن لوگوں کے نام یہ پرچے جاری کرائے جائیں۔ پھر اس سلسلہ میں اور جو دوست خدمت کے لئے اپنا نام پیش کرنا چاہیں وہ بھی کر دیں۔ ان کے ذمہ کام لگا دیئے جائیں گے مثلاً یہ کہ فلاں قسم کے خطوط فلاں کے پاس جائیں اَور ان کے جواب بھی وہ لکھیں۔ اس کام کی ابتدا کرنے کے لئے مَیں نے ایک خط لکھا ہے جو پہلے اردو اور انگریزی میں اور اگر ضرورت ہوئی تو دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ کرا کے دنیا کے بادشاہوں اور ہندوستان کے راجوں مہاراجوں کی طرف بھیجا جائے گا۔ اس قسم کے خطوط بھی وقتاً فوقتاً جاتے رہیں مگر اصل چیز الفضل کا خطبہ نمبر یا سن رائز ہے جو ہر ہفتہ ان کو پہنچتا رہے اَور چونکہ خطبہ کے متعلق مسنون طریق یہی ہے کہ وہ اہم امور پر مشتمل ہو اس لئے اس میں سب

مسائل پر بحثیں آ جاتی ہیں۔ اس میں سلسلہ کے مسائل بھی ہوتے ہیں۔ جماعت کو قربانی کی طرف بھی توجہ دلائی جاتی ہے اور مخالفتوں کا ذکر بھی ہوتا ہے اور اس طرح جس شخص کو ہر ہفتہ یہ خطبہ پہنچتا رہے۔ احمدیت گویا ننگی ہو کر اس کے سامنے آتی رہے گی اور وہ بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس جماعت کی امنگیں اور آرزوئیں کیا ہیں، کیا ارادے ہیں، یہ کیا کرنا چاہتے ہیں، دشمن کیا کہتا ہے اور یہ کس رنگ میں اس کا مقابلہ کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اس رنگ میں کام شروع کیا جائے تو ایک شور مچ سکتا ہے۔ اگر دو ہزار آدمی بھی ایسے ہوں جن کے پاس ہر ہفتہ، سلسلہ کا لٹریچر پہنچتا رہے تو بہت اچھے نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ان لوگوں کو چٹھیاں بھی جاتی ہیں اور ان سے پوچھا جائے کہ آپ ہمارا لٹریچر مطالعہ کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی کہے نہیں تو اس سے پوچھا جائے کیوں نہیں۔ یہ پوچھنے پر بعض لوگ لڑیں گے اَور یہی ہماری غرض ہے کہ وہ لڑیں یا سوچیں۔ جب کسی سے پوچھا جائے گا کہ کیوں نہیں پڑھتے تو وہ کہے گا کہ یہ پوچھنے سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ پوچھنا ضروری ہے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی آواز ہے جو آپ تک پہنچائی جا رہی ہے۔ اس پر وہ یا تو کہے گا سنا لو اَور یا پھر کہے گا کہ مَیں نہیں مانتا اور جس دن کوئی کہے گا کہ جاؤ مَیں نہیں مانتا۔ اسی دن سے وہ خدا تعالیٰ کا مد مقابل بن جائے گا اور ہمارے رستہ سے اٹھا لیا جائے گا۔ جن لوگوں تک یہ آواز ہم پہنچائیں گے ان کے لئے دو ہی صورتیں ہوں گی۔ یا تو ہماری جو رحمت کے فرشتے ہیں سنیں اور یا پھر ہماری طرف سے منہ موڑ کر خدا تعالیٰ کے عذاب کے فرشتوں کی تلوار کے آگے کھڑے ہو جائیں۔ مگر اب تو یہ صورت ہے کہ نہ وہ ہمارے سامنے ہیں اور نہ ملائکہ عذاب کی تلوار کے سامنے بلکہ آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں۔ نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کی تلوار کے سامنے آتے ہیں کہ وہ انہیں فنا کر دے اور نہ اس کی محبت کی آواز کو سنتے ہیں کہ ہدایت پا جائیں۔ اب تو وہ ایک ایسی چیز ہیں جو اپنے مقام پر کھڑی ہے اور وہاں سے ہلتی نہیں لیکن نئی تعمیر کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے وہاں سے ہلایا جائے۔ یا تو وہ ہماری طرف آئے اور یا اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ یہ کام تحریک جدید کے پروگرام کا ایک حصہ ہے۔ تحریک جدید کی موجودہ شکل کے اب دو سال باقی رہ گئے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان دو سالوں میں اس کام کی بنیاد شروع کی جا سکتی ہے تا جس وقت تک

تحریک جدید کے مبلّغ کام کے لئے تیار ہو سکیں، ہمیں پتہ لگ جائے کہ ہم نے دنیا سے کس طرح معاملہ کرنا ہے اور اس نے ہم سے کس طرح کرنا ہے۔

مَیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ جماعت کے مخلصین کو توفیق دے کہ وہ اس آواز پر لبیک کہہ سکیں اور پھر ان کو استقلال کے ساتھ کام کرنے کی توفیق بخشے اور ایسی طرز پر اپنی باتیں لوگوں تک پہنچانے کی توفیق دے کہ وہ ہدایت کا زیادہ موجب ہوں اور ٹھوکر کا موجب صرف انہی لوگوں کے لئے ہوں جن کے لئے ازل سے ٹھوکر مقدر ہے۔ آمین یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔(اس وقت تک قریباً اڑھائی تین سو کی رقم آچکی ہے جو صرف قادیان کے دوست جن میں سے اکثر کی طرف سے ابھی کوئی وعدہ نہیں آیا ہمیشہ کی طرح دوسروں سے بڑھ کر رہنے کی کوشش کریں گے۔ اَور بیرونی دوست ان سے بڑھ کر اپنے اخلاص کا ثبوت دینے کی کوشش کریں گے۔ ایک الفضل کے خطبہ نمبر کی قیمت 2/8 ہے اور ایک سن رائز کی ہندوستان کے لئے قیمت ۔/4 ہے)۔"

(الفضل 22 اکتوبر 1942ء)

1: درثمین اردو صفحہ 54۔ نظارت اشاعت ربوہ

2: طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 255 مطبوعہ بیروت 1985ء

3: اَلْبِدَایَة وَ النِّهَایَة جلد 8 صفحہ 126 مطبوعہ بیروت 2001ء

4: تاریخ الخمیس جلد 2 صفحہ 301 مطبوعہ بیروت زیر عنوان ذکر خلافة معاویة بن یزید